احیائے علوم میں تہذیبِ اسلامی کا کردار

پروفیسر ڈاکٹر سعادت انور صدیقی
صدر خوارِزمی سائنس سوسائٹی لاہور

شہرِ لاہور قدیم ادوار سے اَن گنت ثقافتی، ادبی، تہذیبی، مذہبی اور علمی خزینے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ کسی بھی اعلیٰ تہذیب یافتہ شہر کی عظمت کا دارومدار اُس شہر میں بسنے والی عظیم ہستیوں اور ان کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والی علمی و ادبی سرگرمیوں پر ہوتا ہے۔ ایسی ہی ایک عظیم الشّان تقریب ۴ نومبر ۲۰۰۷ کو اقبال اکادمی پاکستان کے عملی تعاون سے خوارِزمی سائنس سوسائٹی پاکستان کے زیرِ اہتمام ایوان اقبال میں منعقد ہوئی۔ اس نشست کا موضوعِ سخن تھا ''سائنس اور تہذیبِ اسلامی''۔ ۳ نومبر کو ملک میں ہنگامی حالت کے نفاذ کے باوجود عوام و خواص کی ایک بڑی تعداد (تقریباً چار سو اشخاص) نے شرکت کی۔ جس میں دانش ور، کہنہ مشق صحافی، جامعات کے اساتذہ، علمائے دین اور نوجوان طلبہ و طالبات شامل تھے۔ ملک میں نئی نویلی ایمرجنسی کی نفاذ کے باعث ہر طرف خاموشی اور بے رونقی کی ایک پراسرار سی فضا قائم ہونے کے باوجود ایوان اقبال کی عمارت سمپوزیم کیلئے آراستہ دلکش تعارفی بینرز کی بدولت کچھ اور زیادہ پُرشکوہ لگ رہی تھی اور علم کے خوشہ چینوں کو شرکت کی دعوت دے رہی تھی۔

راقم الحروف نے خطبہِ استقبالیہ (خوارِزمی سائنس سوسائٹی کا صدر ہونے کے ناطے یہ ذمہ داری مجھے سونپی گئی) میں سمپوزیم کے انعقاد کے اعلان پر ملنے والے منفی ردعمل کا ذکر کیا۔ جیسے کسی صاحب نے یہ کہا کہ ہمارے مسلم آباؤاجداد میں کئی اہم سائنس دان رہے ہیں۔ اور یہ کہ اس موضوع پر بولنے کیلئے ایک سے بڑھ کر ایک مقرر مل سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اس بحث میں پڑنے سے کیا حاصل کہ مسلمانوں کا سائنس میں کیا کردار رہا ہے۔ یہ تو محض خوش کن خودستائی اور بے معنی ماضی پرستی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ اس سلسلے میں بات کرنے کیلئے آپ کو کوئی حقیقی سائنس دان میسر نہیں آ سکے گا۔ میں نے اپنے خُطبے میں واضح کیا کہ دراصل اس موضوع پر سمپوزیم کے انعقاد کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ تہذیبِ اسلامی میں سائنس کے آغاز، فروغ اور زوال کے بارے میں صحیح اور درست تاریخ مرتب ہو سکے اور اس سلسلے میں پائے جانے والے تمام مغالطے دور ہو سکیں۔

اس بارے میں بات کرنے کیلئے پروفیسر جارج صلیبا سے بڑھ کر بہتر مقرر کون ہو سکتا تھا۔ جو ایک ماہر

ریاضی دان، برس ہابرس سے اسلامی سائنس کے بارے میں تحقیقی و تصنیفی کاوشوں سے وابستہ اور متعدد عالمی شہرت کی حامل کتب اور مقالوں کے مصنف ہیں۔ وہ آجکل کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں عربی زبان اور اسلامی سائنس کے پروفیسر ہیں۔

انہوں نے جب آغازِ سخن کیا تو ان کے بیان و استدلال کا سحر تمام سامعین پر چھا گیا۔ پروفیسر صلیبا نے اس سمپوزیم میں ہر دو نشستوں میں ایک ایک لیکچر دیا۔ پہلی نشت میں ان کے لیکچر کا موضوع تھا ''اسلام اور یونانی سائنس کی ہیئت کذائی'' اور دوسری نشست کا موضوع ''اسلامی سائنس اور یورپی نشاۃِ ثانیہ'' ٹھہرا۔ پروفیسر صلیبا کو متعدد بہ زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ جن میں انگریزی، عربی، لاطینی، عبرانی، یونانی اور فرانسیسی وغیرہ شامل ہیں۔ اس طرح ان کی رسائی ان زبانوں کے تمام قدیمی نسخوں تک بلا واسطہ ہو جاتی ہے۔ پروفیسر صلیبا نے تاریخ کے گم گشتہ اوراق میں سے کئی ایسے فن پارے ڈھونڈ نکالے جو ان کے اس بنیادی استدلال کو تقویت پہنچاتے ہیں کہ اسلامی دور میں مسلم سائنسدانوں کا کردار محض سائنسی علوم کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کرنے تک محدود نہیں رہا بلکہ انہوں نے اس میں گراں قدر اضافہ اور اصلاح بھی کی تھی۔ اس کیلئے استاد موصوف نے دستاویزات، عکوس اور تصاویر کی صورت میں قوی ثبوت اتنے دلکش انداز میں پیش کئے کہ سننے والوں کے ذہن تازہ اور ان کے علمی دامن میں کئی نئے موتی جڑ گئے۔

اپنے پہلے لیکچر میں پروفیسر صلیبا نے واضح کیا کہ یونانی علم و ادب میں مسلمانوں کی دلچسپی کی ایک اہم وجہ یہ تقاضا تھا کہ اِسلام کے مذہبی، معاشی اور معاشرتی حقوق و فرائض کو انصاف کے ساتھ پورا کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں 'علم المیقات'، 'علم الہیئت' اور 'علم الحساب' جیسے مضامین وجود میں آئے جن کی اولین تحریک یہ تھی کہ نماز کے صحیح اوقات اور قبلہ کی درست سمت کا تعین، زکوۃ کی وصولی اور وراثت کی تقسیم وغیرہ کا صحیح اطلاق ہو سکے۔ پروفیسر صلیبا نے متعدد مثالیں دے کر واضح کیا کہ اسلامی دور میں علمِ فلکیات سے متعلق بہت سی فلکی پیائشیں اور اعداد و شمار درست کئے گئے ہیں مثلاً زمین کے اپنے عمودی خط کے گرد گھومنے کا زاویہ جس کی درست قیمت ۲۳ء۵ بتائی گئی جواب تک درست مانی جاتی ہے۔ فلکیاتی پیائش کے نئے اور نپے تلے اوزار بھی بنائے گئے۔ اس طرح بطلیموس کے اجرامِ فلکی کے بارے میں نظریات کی اصلاح کی گئی۔ پروفیسر صلیبا نے جید مسلمان سائنس دانوں کی فہرست میں ابن الشاطر، نصیر الدین طوسی، مویّد الدّین عُرضی، قطب الدین شیرازی اور شمس الدین خفری کا بطورِ خاص ذکر کیا کیونکہ ان کے پیش کردہ نظریات و خیالات بعد میں آنے والے مغربی سائنس دان بھی استعمال کرتے رہے ہیں جن میں کوپرنیکس بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر صلیبا نے قرونِ وسطیٰ کے بے شمار لاطینی مخطوطے دکھائے جس میں

اعداد عربی طرزِ تحریر سے متاثر ہو کر دائیں سے بائیں جانب لکھے گئے تھے۔

علمِ کیمیا، طب اور طبیعات کے مضامین میں سے بے شمار مثالیں دے کر معزز مقرر نے ثابت کر دیا کہ مسلم دور میں ہونے والے تراجم میں قابلِ رشک اضافے اور درستگیاں ہوئیں اور بہت سے پرانے یونانی نظریات باطل ثابت کر دیے گئے۔ جیسے ابن الہیثم نے بصارتِ عینی کے متعلق یونانی نظریات کو یکسر بدل دیا اور ابوبکر رازی نے چیچک اور خسرہ کے درمیان طبی اور تشخیصی فرق کو واضح کیا۔ ابنُ النّفیس نے دورانِ خون کے نظام کی درست تشریح کی اور یوں حکیم جالنیوس کے نظریے کو غلط ثابت کیا۔

اپنے دوسرے لیکچر میں پروفیسر جارج صلیبا نے نہایت مدبرانہ اور لطیف انداز میں یورپ میں سولہویں صدی میں پائے جانے والے علمی، معاشرتی اور ثقافتی ماحول کا جائزہ لیا۔ یہ وہی ماحول تھا جس میں نشاۃِ ثانیہ کے سوتے پھوٹے۔ انہوں نے کوپرنیکس کے شہرہ آفاق نظریے 'مرکزیتِ آفتاب' کے بارے میں کہا کہ یہ اس وقت سائنس کی دنیا کا ایک انقلابی نظریہ تھا۔ 'مرکزیتِ آفتاب' کے نظریے نے دنیائے عقل کے پرسکون سمندر میں ہل چل مچادی اور اس کی بدولت فکرِ تازہ کی جھلی میں بے پناہ ارتعاش پیدا ہوا۔

پروفیسر صلیبا نے یہ باور کروایا کہ کوپرنیکس نے فلکیاتی اجسام کے بارے میں کئے جانے والے حساب کتاب میں اسلامی دور میں پنپنے والے علومِ ریاضی اور فلکیات سے بھرپور استفادہ کیا۔ مثلاً سیارہ عطارد اور چاند کی گردش کا خاکہ جو کوپرنیکس نے استعمال کیا، وہ من وعن ابن الشاطر کے خاکوں کا آئینہ تھا۔ پروفیسر صلیبا نے اتنے ماہرانہ انداز میں یہ ثابت کیا کہ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کی افزائش میں یونانی سائنس کا کردار تقریباً بے معنی ہے۔ اس کی بجائے اسلامی دور میں ابھرنے والی سائنس زیادہ موزوں، جدید اور متعلقہ تھی۔ دانش ور محقق جارج صلیبا نے اسلامی سائنس کے زینے کو استعمال کرتے ہوئے یورپی نشاۃِ ثانیہ کی منزلیں طے کرنے کے سفر کے بارے میں ناقابل شکست ثبوت پیش کئے۔ مزید برآں یہ بھی کہ نشاۃِ ثانیہ کی جانب اس سفر میں مسلمانوں کے ایجاد کردہ سائنسی آلات بھی برابر کے شریک رہے۔ اس سلسلے میں مثال دیتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ روم کے مشہور و معروف سینٹ پیٹر کیتھڈرل کے ماہرِ تعمیرات سنگالو (Sangallo) نے فلکیاتی اجسام کی پیمائش میں استعمال ہونے والے آلہِ اصطرلاب کی اتنی ہو بہو نقل بنوائی کہ اس پر اس کے اصلی معمار خفیف غُلام علی بن عیسی کا نام بھی کندہ کیا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنے نامور اور عظیم اطالوی ماہر تعمیرات نے سات سو سال پرانے آلے جو کہ بغداد میں بنایا گیا تھا، کو اپنے کام کیلئے کیوں منتخب کیا۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ یورپی نشاۃِ ثانیہ کے دور میں بھی اسلامی دور میں بنائے گئے سائنسی آلات کتنے متداول، درست اور عمدہ تصوّر کیے جاتے تھے۔

پروفیسر صلیبا نے ہر دو لیکچر کے بعد سمپوزیم میں شریک عوام الناس کے متعدد تیکھے اور دقیق سوالات کے جوابات اتنے پر جوش انداز اور بے ساختگی سے دیے کہ حاضرین عش عش کر اٹھے۔ سوال و جواب کا یہ وقفہ نہایت دلچسپ اور مقصدیت سے لبریز تھا۔ جس کی بدولت نوجوان ذہنوں کو سوچ کی درست سمت متعین کرنے کی ماہرانہ رہنمائی میسر ہوئی مثلاً کسی دل جلے نوجوان کی طرف سے سوال اٹھایا گیا کہ آج کل کے ترقی یافتہ دور میں یورپ اور امریکہ ہمیں آگے کیوں نہیں بڑھنے دیتے اور ہمارے سائنس دانوں کو بین الاقوامی سطح پر عزت کیوں نہیں دی جاتی جیسے ڈاکٹر عبدالقدیر خان۔ اس سوال کا پروفیسر جورج صلیبا نے اتنا سیر حاصل، پُر مغز اور تسلی بخش جواب دیا کہ تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ انہوں نے کہا کہ ترقی کی جنگ میں کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ سب کو اپنی مدد آپ کرنا ہوتی ہے۔ اور آج کل کے دور میں کوئی بھی سائنسی حقیقت خفیہ نہیں رکھی جا سکتی۔ کسی بھی عظیم ایجاد اور دریافت کیلئے انتھک محنت اور سائنس کو فروغ دینے کا مربوط نظام درکار ہے۔ اس کے پیچھے قوموں کے ایک لازوال اور غیر متزلزل ارادے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ معاشرے میں اساتذہ، سائنس دانوں، مفکروں اور دانش وروں کی قدر و منزلت اور ان کو اعلیٰ مقام میسر ہونا چاہیے۔ اس سمٹتی ہوئی دنیا میں قائم سامراجی نظام میں کچلے جانے سے بچنے کیلئے خود کو مضبوط و توانا رکھنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان سلطنتوں نے اپنے قدرتی و انسانی وسائل سے استفادہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ان کی ذہنیت محکومیت پسند ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اقوامِ عالم میں تیسرے درجے کے شہری بن کے رہ گئے ہیں۔ میرے نزدیک اس جواب کو اس شعر کے ذریعے بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

غلامی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

الغرض پروفیسر صلیبا کے مطابق فدویانہ ذہنیت، اپنے وسائل کی وسائل کی بے وقعتی اور معاشی استحصال کی موجودگی میں سائنسی ترقی کا خواب محض خیالِ عبث ہے۔

اس سمپوزیم میں دوسرے اہم مقرر ڈاکٹر نعمان الحق تھے۔ جو ہاورڈ یونیورسٹی میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد آج کل لمز یونیورسٹی میں عمرانیات اور تاریخ کے فاضل استاد ہیں۔ انہوں نے اپنے مقالے میں ماہرانہ انداز سے مسلم تہذیبوں میں سائنس کے متعلق رویوں کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور اس سلسلے میں قائم غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ انہوں نے بطورِ خاص امام غزالی کے دامن پر لگے اس داغ کو دھویا کہ امام غزالی کی تعلیمات اور تصنیفات نے سائنس کے فروغ کو نقصان پہنچایا ہے۔ انہوں نے باور کروایا کہ امام غزالی کے دور میں اور بعد کے مسلم ادوار میں مسلمانوں کی

سائنس میں دلچسپی کم نہیں بلکہ مزید بڑھی۔

اسی طرح لمز کے ایک اور نوجوان اور ہونہار پروفیسر ڈاکٹر باسط بلال کوشل نے بھی نہایت مدبرانہ اور والہانہ انداز میں اپنے مقالے میں ان سائنسدانوں کو خوب رگیدا جو سائنس کی خاطر مذہب کو نیچا دکھاتے ہیں۔ ان کے مقالے کا عنوان کچھ یوں تھا۔ ''ہوئے تم جس کے دوست، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟'' یعنی سائنس کی اعانت بذریعہ دین کی اہانت۔ ان کا بنیادی استدلال یہ تھا کہ یہ مذہب بے زار سائنس دان دراصل خود سائنس کی روح کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ سائنس دان خیال کرتے ہیں کہ سائنس روشن خیالی اور دین جہالت اور کج روی کی علامت ہے۔ انہوں نے خاص طور پر بیسوی صدی کے مشہور مفکر میکس ویبر (Max Weber) کا حوالہ دیا جس کے نزدیک سائنس کا دامن تنگ ہے۔ جس میں دنیا و مافیہا کی تمام حقیقتیں نہیں سما سکتیں۔

سمپوزیم کی دوسری نشست کی صدارت پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور بابر علی فاؤنڈیشن کے مشیر پروفیسر ڈاکٹر خالد حمید شیخ جو کہ خوارزمی سائنس سوسائٹی کے تاحیات رکن بھی ہیں، نے کی۔ انہوں نے اپنے صدارتی خطبے میں سوسائٹی کی سائنس کو عوام میں مقبول کرنے اور علمی شعور بیدار کرنے کی کوششوں کو سراہا۔ انہوں نے تمام مقررین کا شکریہ ادا کیا اور رائینگرو کیمیکلز کا ان کے مالی تعاون پر شکریہ ادا کیا۔ بعد میں معزز مقررین اور منتظمین میں یادگاری ہدایا تقسیم کئے گئے۔

خوارزمی سائنس سوسائٹی گزشتہ دس سالوں سے راقم الحروف کی زیر سرپرستی ایک سو پچاس سے زائد معلوماتی اور تربیتی پروگرام منعقد کروا چکی ہے۔ جن میں سیمینار، مذاکرے، تربیتی ورکشات، مطالعاتی دورے، علمی و ادبی مجالس اور بحث و مباحثے وغیرہ شامل ہیں۔ ان تقاریب کا بنیادی مقصد نوجوانوں میں علم و ہنر حاصل کرنے کا شوق پیدا کرنا ہے۔ سائنس کی دنیا میں ہونے والی نئی دریافتوں، اضافوں، ایجادات اور انکشافات سے آگاہ رکھنا، سائنس کی دنیا کے عظیم سائنس دانوں اور رہنماؤں سے ملنے کا اہتمام کرنا ہے تاکہ طلبہ ان سے براہِ راست مستفید ہو سکیں۔

سائنس کی دنیا میں مسلمانوں کا ایک نہایت ہی اہم کردار اور درخشاں ماضی رہا ہے۔ مگر آج کل کے ترقی یافتہ دور میں یہ پہلو ڈھونڈے نہیں ملتا۔ اور بہت سے ملکی اور غیر ملکی دانش وروں نے مسلمانوں کے ماضی میں مسلمہ کردار کو بھی متنازعہ بنا دیا ہے۔ ان حالات میں ترقی یافتہ دنیا سے تعلق رکھنے والے محققین اور دانشوروں سے مکالمہ اور ملاقات نوجوانوں اور عوام الناس کیلئے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر جارج صلیبا کا پاکستان میں خوارزمی سائنس سوسائٹی کی دعوتِ خاص پر تین دن کا قیام اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ ہمارے وضع کردہ پروگرام میں اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ پروفیسر صلیبا کی ملاقات علم و فضل اور دینی و سائنسی علوم سے

وابستہ ہر سطح کے افراد سے ہو۔ان میں پاکستان کی عوامی یونیورسٹیاں (گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی)، عوام وخاص کے لئے (عوامی سمپوزیم منعقدہ ایوانِ اقبال لاہور) خالصتاً مذہبی و دینی درسگاہ (جامعہ اشرفیہ لاہور) اورنجی یونیورسٹی (لمز یونیورسٹی) کے طلبا و طالبات اور اساتذہ کرام سے براہ راست ملاقات اور خطابات کا اہتمام شامل کیا گیا تھا۔اس کے علاوہ علامہ اقبال اکادمی کے ناظمِ اعلیٰ سہیل عمر نے لاہور کی تاریخی مسجد وزیر خان میں ایک خصوصی انٹرویو کی عکس بندی کا پروگرام باصلاحیت نوجوان شاہ رخ آفتاب کے ذمے لگا رکھا تھا جسے اس نے نہایت چابکدستی سے عکس بند کیا۔

الغرض پروفیسر جارج صلیبا کے دورہ لاہور کی بازگشت علمی و سائنسی حلقوں میں ایک عرصہ تک سنائی دیتی رہے گی ۔ سائنسی تاریخ مرتب کرنے والا ایک درخشاں ستارہ لاہور کے علمی افق پر اپنی تجلیاں بکھیر کر دیارِ امریکہ میں ضوفشاں ہو گیا۔اتنے عظیم مصنف اور محقق کو متعدد محفلوں میں لاہور کی نوجوان نسل کے ساتھ بیٹھ کر علم وادب کے مختلف موضوعات پر غیر رسمی انداز میں تبادلہ خیال کرتے دیکھا تو ان کی شخصیت کے کئی پوشیدہ پہلو بھی اجاگر ہوئے اور یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ عظیم لوگ اندر سے کس قدر سادہ اور انسان دوست ہوتے ہیں۔اور یہ بھی کہ ان کی شخصیت علم وفیض کے ایک بہتے ہوئے دھارے کی مانند ہوتی ہے جس سے کوئی بھی غرض مند اپنی علمی اور روحانی پیاس بجھا سکتا ہے۔خواہ اس کا تعلق امریکہ،فلسطین، لبنان، یا پاکستان سے ہو

درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی

گھر مِرا نہ دلی ، نہ صفاہاں ، نہ سمرقند

آخری بات میں یہ کہوں گا کہ مجھے ذاتی طور پر سمپوزیم کے دوران کسی نوجوان کو دیا گیا یہ جواب سب سے زیادہ اہم لگا کہ اگر مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان زندہ رہنا ہے تو اپنی صلاحیتوں کو بھرپور انداز میں بروئے کار لانا ہوگا اور انہیں امریکہ یا مغرب کی طرف امداد طلب نگاہوں سے دیکھتے رہنے کی روش بدلنی ہوگی۔